بین مذاہبی اور بین نظریاتی مکالمہ کے دس بنیادی اور عام فہم اصول

تحریر: لیونارڈ سویڈلر

پروفیسر ڈائلاگ انسٹیٹیوٹ، ٹیمپل یونیورسٹی، فلاڈالفیا (یو.ایس.اے)

ترجمہ: **پروفیسر اختر الواسع**

سابق ڈائریکٹر: ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز

یہ مکالمہ کے دس بنیادی اور عام فہم اصولوں پر مشتمل کلاسیکی متن ہے جو اس وقت لکھا گیا تھا جب ابھی ''دوررس مکالمہ'' کی اصطلاح ایجاد نہیں ہوئی تھی ۔مکالمے کی یہ قسم دماغ کے مکالمہ پر ارتکاز کرتی ہے۔(یاد رہے کہ ہاتھ، دل اور روح کے مکالمے کی اصطلاحیں بھی موجود ہیں۔دیکھیے: دوررس مکالمہ /تنقیدی سوچ/مسابقاتی تعاون: کرنے اور کیے جانے کا انتہائی مستند انسانی طریقہ 47,2: (جرنل آف مسیحی مطالعات 151-2012/143، موسم بہار)۔اس کا چار ضابطوں پر مشتمل پہلا متن جرنل آف مسیحی مطالعات 15-3 (گرما، 1978 ص 431f) میں بین مذاہبی مکالمے کے بنیادی اصول کے عنوان سے شائع ہوا تھا، پھر اس میں توسیع کرکے ''مذاکرات کے دس عام فہم اصول اور بین نظریاتی مکالمہ'' کے نام سے جرنل آف مسیحی مطالعات 20.1 (سرما (1-4)1983 میں اس کی اشاعت عمل میں آئی۔1984 کے بعد اس کا عنوان ''بین مذاہبی اور بین نظریاتی مکالمہ کے دس بنیادی اصول'' ہی رہا۔یہ تقریباً 9 مختلف زبانوں میں اس کی کم از کم 39 اشاعتیں عمل میں آئیں۔فہم عام پر مبنی اصولوں کو مکالمے کے دس اہم اصولوں کا نام یادداشت کی آسانی کو ملحوظ رکھتے ہوئے تعلیمی ضروریات کی وجہ سے دیا گیا ہے۔کم از کم یہودی، عیسائی اور مسلمان دس احکام یا اصولوں کی اصطلاح کو فوراً جان جائیں گے۔مزید حرفی مشابہت (جو Dialogue: مکالمہ اور Decalogue: دس احکام یا اصول میں پائی جاتی ہے) بھی اسے حافظہ میں محفوظ رکھنے میں مدد کرے گی۔

مکالمہ دو یا دو سے زیادہ مختلف نظریات رکھنے والے افراد کے درمیان کسی مشترکہ موضوع پر گفتگو کو کہتے ہیں۔جس کا بنیادی مقصد ہر شریکِ مذاکرہ کے لیے دوسرے سے کچھ سیکھنا ہے تاکہ وہ خود کو بدل سکے اور آگے بڑھ سکے۔ مکالمے کی اس تعریف سے ہی مکالمے کے پہلے اصول کی تشکیل ہو جاتی ہے۔ماضی میں مذہبی و نظریاتی میدان میں ہم نے اپنے مختلف عقائد و نظریات رکھنے والوں کے ساتھ مکالمے کیے۔مثال کے طور پر مسیحیت کے کیتھولک اور پروٹیسٹنٹ فرقوں سے سے وابستہ افراد سے مکالمے کیے۔تاہم اس کا مقصد یا تو حریف کو شکست دینا تھا یا اُس کو اچھی طرح جان لینا تھا تاکہ مؤثر انداز میں متعلقہ حریف سے گفتگو کرکے اس کو شکست دی جا سکے۔مطلب یہ ہے کہ اگر ہم نے ایک دوسرے کا سامنا بھی کیا تو نزاع و جدال کے ساتھ۔اس طرح کا لفظی مناظرہ کبھی ہم نے کبھی سختی کے ساتھ کیا اور کبھی نرمی کے ساتھ۔تاہم اس کا مقصد ذہن میں ہمیشہ یہی رہا کہ حریف کو شکست دینا ہے کیونکہ مطلق سچائی صرف ہمارے ہی پاس ہے۔لیکن مکالمہ ڈبیٹ نہیں ہوتا۔ڈائلاگ کا مطلب ہے کہ ہر شریک توجہ و ہمدردی کے ساتھ دوسرے کو سنے۔ تاکہ وہ بھی دوسرے کی پوزیشن کو داخلی طور پر جتنا ممکن ہو بہتر طور پر سمجھ سکیں۔اس قسم کے رویہ میں یہ بات خود بخود شامل ہے کہ کسی بھی

وقت ہم اپنے حریف کی پوزیشن کو اس لائق سمجھ سکتے ہیں کہ اس کے مطابق اپنے اندر تبدیلی لا سکیں۔ یہ تبدیلی اضطراب پیدا کرنے والی بھی ہو سکتی ہے۔ یہاں ہم ایک خاص قسم کے مکالمہ پر گفتگو کر رہے ہیں۔ اس کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ شرکا کسی مذہبی یا نظریاتی موضوع پر بحث کریں یعنی یہ طے کریں کہ زندگی کا حتمی معنی کیا ہے اور یہ کہ اس کے مطابق زندگی کیسے گزاریں"۔ اس کے بجائے ان کو ایسے افراد کی طرح بات کرنی چاہیے جو کسی مذہب یا نظریہ کے حامل ہوں۔ مثال کے طور پر اگر میں نہ عیسائی ہوں نہ مارکسی، دونوں میں سے کچھ بھی نہیں تو میں عیسائی مارکسی مکالمے میں شرکت نہیں کر سکتا۔ ہاں میں ان کو سن سکتا ہوں، معلومات کے لیے سوال کر سکتا ہوں اور کچھ مفید تبصرے بھی کر سکتا ہوں۔

یہ تو واضح ہے کہ بین مذہبی اور بین نظریاتی مکالمہ دنیا میں بالکل نئی چیز ہے۔ ماضی میں تو اس کا تصور ہی نہیں تھا عملاً اس کی توقع کیوں کر کی جا سکتی تھی۔ ایسی صورت میں ہم اس نئے عمل میں کیسے شریک ہوتے۔ نئے نظریات اور نئے مذاہب سے ڈائلاگ کے چند بنیادی اصول ہیں جن پر عمل درآمد ضروری ہے۔ یہ محض نظری نہیں بلکہ وہ لمبی مدت کے تجربات سے حاصل کردہ ہیں۔

پہلا اصول: ڈائلاگ کا سب سے بنیادی مقصد حقیقت کے فہم اور تصور میں آگے بڑھنا اور اپنے آپ کو اسی کے لحاظ سے بدلنا ہے۔ کم سے کم یہی حقیقت کہ میں یہ سیکھوں گا کہ مکالمہ میں میرا جو شریک ہے وہ "اِس بات پر یقین رکھتا ہے نہ کہ اُس پر"۔ اس سے اُس کے بارے میں میرا رویہ تبدیل ہوگا۔ اور رویہ میں تبدیلی ایک اہم تبدیلی ہے۔ ہم ڈائلاگ میں اس لیے شریک ہوتے ہیں کہ ہم خود سیکھ سکیں تبدیل ہو سکیں اور آگے بڑھ سکیں نہ یہ کہ ہم دوسرے کو جبراً تبدیل کر دیں، جیسا کہ بحث ومباحثہ میں ہوتا ہے۔ اس لیے بحث ومباحثہ کا مقصد مکالمے سے اور زیادہ مؤثر انداز میں حاصل ہو جاتا ہے۔

دوسرا اصول: بین مذاہبی نظریاتی ڈائلاگ کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک دوطرفہ پروجیکٹ کے طور پر عمل میں لایا جائے۔ جس میں مختلف مذاہب اور نظریات رکھنے والے لوگ شامل ہوں۔ بین مذاہبی ڈائلاگ کے فرقہ وارانہ مزاج کے مدنظر اور یوں بھی کہ اس میں شریک ہونے والا ہر شخص اپنے آپ کو تبدیل کرنے کے لیے مکالمہ کرتا ہے، یہ بھی ضروری ہے کہ ہر شرکت کرنے والا صرف اپنے سے مختلف عقیدہ ونظریہ رکھنے والے سے ہی ڈائلاگ نہ کرے۔ مثلاً "لوتھیرین" مسیح فرقہ "اینگلکن" مسیح فرقے کے ساتھ۔ بلکہ اپنے ہم عقیدہ اور ہم نظریہ سے بھی ڈائلاگ کرے مثلاً لوتھیرین لوتھیرین کے ساتھ۔ تاکہ ان کو بین مذاہبی ڈائلاگ کے نتائج سے آگاہ کر سکے۔ صرف اِسی طریقہ سے پوری کمیونیٹی بالآخر کچھ سیکھ سکتی ہے۔ اس سے تبدیلی پیدا ہو سکتی ہے اور حقیقت کی طرف سفر کر سکتی ہے

۔

تیسرا اصول: مکالمے میں شریک ہونے والا ہر شخص مکالمے کے عمل میں مکمل ایمانداری اور خلوص کے ساتھ شریک ہو۔ یہ بھی واضح ہونا چاہیے کہ روایت کس بڑے یا چھوٹے نقطہ کی طرف محوسفر ہے اور مستقبل کا رخ کیا ہوگا۔ اور اگر ضروری ہو، تو یہ بھی واضح رہے کہ شریک مکالمہ کو خود اپنی روایت کے ساتھ کہاں کہاں مشکل پیش آ رہی ہے۔ ڈائلاگ میں غلط محاذ تشکیل دینے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس کے برعکس ہر شریکِ کو دوسرے شرکاء کے بارے میں بھی مکمل ایمانداری اور خلوص برتنا چاہیے۔ صرف اتنا ہی نہیں کہ خلوص کا فقدان ڈائلاگ کو ہونے نہیں دے گا بلکہ اگر اپنے حریف کے بارے میں بھی خلوص نہیں ہوگا تب بھی ڈائلاگ کا عمل آگے نہیں بڑھ

پائے گا۔ مختصر یہ کہ اگر اعتماد باہمی نہیں تو ڈائلاگ بھی نہیں۔

چوتھا اصول: بین مذاہبی بین نظریاتی ڈائلاگ میں اپنے آدرشوں کا تقابل حریف کے عمل سے نہیں کرنا چاہیے بلکہ اپنے آدرشوں کا حریف کے آدرشوں سے اور اپنے عمل کا تقابل اس کے عمل سے کرنا چاہیے۔ مثلاً ماضی میں ہندوؤں کے ہاں ستی پرتھا کا تقابل عیسائیوں کے محکمۂ احتساب سے کرنا چاہیے۔

پانچواں اصول: ہر شریک کو خود اپنے کو متعارف کرانا چاہیے مثلاً ایک یہودی ہی یہ بتاسکتا ہے کہ یہودی ہونے کا مطلب کیا ہے ۔دوسرے لوگ محض یہ بیان کر سکتے ہیں کہ وہ ظاہر میں کیسا دکھائی دیتا ہے۔ مزید برآں چونکہ ڈائلاگ ایک متحرک ذریعہ ہے کہ ہر شریک کچھ نیا سیکھ سکتا ہے جس سے اس میں تبدیلی آتی ہے۔ اور یہیں سے وہ تسلسل کے ساتھ۔ مثلاً ایک یہودی کی حیثیت سے ۔اپنے تعارف کو وسیع کرتا اور تبدیل کرتا ہے۔ وہ اپنے ساتھی یہودیوں کے ساتھ تسلسل کے ساتھ مذاکرات کرنے میں محتاط رہے گا۔ یوں یہ بات بہت اہم ہے کہ ڈائلاگ میں ہر شرکت کرنے والا اپنی روایت کے ایک مستند رکن کی حیثیت رکھتا ہو۔ مزید یہ کہ روایت کی جو تعبیر کی جائے وہ مسلمہ تعبیر ہو، کسی روایت کی انسانی تشریحات کی تفہیم کے لیے یہ ایک سنہری اصول ہے۔ جسے بین مذاہبی گفتگو کے پیغامبر رائمنڈ پانیکر نے بار بار دہرایا ہے۔ افہام وتفہیم کی خاطر ڈائلاگ میں ہر شرکت کرنے والے کو فطری طریقہ پر یہ بتانے کی کوشش کرنی چاہیے کہ وہ مقابل کے بیان سے کیا سمجھ پایا ہے۔ مکالمہ کے عمل میں شریک ہر فریق کو اس بیان کی روشنی میں اپنے آپ کو دیکھنا چاہیے۔ ایک 'عالمی دینیات' کے وکیل ولفرڈ کانٹویل اسمتھ یہ اضافہ کرتے ہیں کہ اس بیان کی توثیق غیر جانب دار مشاہدین بھی کر سکیں۔

چھٹا اصول: مکالمہ کے عمل میں شریک ہونے والوں کو اختلاف کے نقاط کے بارے میں بہت سخت نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ ہر شریک ہونے والے کو نہ صرف دوسرے شرکا کو کھلے ذہن اور ہمدردی کے ساتھ سننا چاہیے بلکہ یہ کوشش بھی کرنی چاہیے کہ ممکنہ حد تک اپنی روایت کے تحفظ کے ساتھ اُس کے ساتھ اتفاق کرے کہ یہی وہ مقام ہوتا ہے جہاں اپنی روایت سے انحراف کیے بغیر اتفاق مشکل ہوتا ہے۔ یہی اختلاف کا بھی حقیقی نقطہ ہے اگر چہ اکثر اوقات دوسری چیزوں کو نقطۂ اختلاف سمجھ لیا جاتا ہے۔

ساتواں اصول: ڈائلاگ دو برابر کے شریکوں کے درمیان ہوسکتا ہے جو دونوں ایک دوسرے سے کچھ سیکھنے کے لیے آئیں۔ ویٹیکن کونسل 11(65-1962) نے اس کو Par cum pari (دو برابر کے شریک) قرار دیا ہے۔ دونوں ایک دوسرے سے کچھ سیکھنے کے لیے آئیں۔ اس لیے اگر مثال کے طور پر مسلمان ہندو مذہب کو کم تر سمجھیں گے یا ہندو اسلام کو کم تر خیال کریں گے تو دونوں کے بیچ کوئی ڈائلاگ نہیں ہو سکے گا۔ اگر ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان معتبر انداز میں بین مذاہبی بین نظریاتی ڈائلاگ ہونا ہے تو دونوں کو ایک دوسرے سے سیکھنا چاہیے تبھی دونوں فریق ایک دوسرے کے برابر ہوسکتے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یک طرفہ ڈائلاگ نہیں ہوسکتا۔ مثال کے طور پر یہودی مسیحی مذاکرات کی ابتداء 1960 میں ہوئی جو بین مذاہبی مکالمے کی تمہید تھی۔ لیکن یہودیوں کا رویہ یہ رہا کہ گویا وہ بنیادی طور پر عیسائیوں کو سکھانے کے لیے اور عیسائی سیکھنے کے لیے آئے ہیں۔ چناں چہ اگر قابل اعتبار اور نتیجہ خیز مکالمہ دونوں فرقوں کے درمیان ہونا ہے تو یہودیوں کو بھی اپنا رویہ سیکھنے والا بنانا ہوگا۔

آٹھواں اصول : ڈائلاگ باہمی اعتماد کی بنیاد پر ہی ہوسکتا ہے ۔ پہلے ان مسائل کو چھیڑیے جو عمومی سطح پر سب سے متعلق ہوں اور یوں انسانی بنیادوں پر لوگوں کے درمیان اعتماد قائم کرنے والے ہوں۔ اگر چہ بین مذاہبی بین نظریاتی ڈائلاگ تھوڑی بہت ''فرقہ وارانہ'' جہت بھی ہوگی یعنی جو لوگ اس میں شریک ہوں گے وہ کسی نہ کسی مذہبی یا نظریاتی گروہ سے تعلق رکھتے ہوں گے مثلاً وہ یا تو مارکسی ہوں گے یا تاؤ کو ماننے والے۔ یہ صحیح ہے کہ افراد کے درمیان ہی ڈائلاگ ہوسکتا ہے۔ مگر افراد کے درمیان ڈائلاگ بھی شخصی اعتماد کی بنیاد پر ہی ہوسکتا ہے۔ اسی لیے سمجھداری اس میں ہے کہ سب سے زیادہ پیچیدہ مسئلوں کو شروع میں نہ چھیڑا جائے بلکہ ان مسائل کو لیا جائے جو سبھوں کے مابین مشترک ہوں اور یوں انسانی سطح پر لوگوں کے درمیان اعتماد قائم کرتے ہوں، پھر بتدریج جب اس اعتماد اور مکالمے کے عمل میں استحکام اور وسعت پید ہو جائے، تو زیادہ مشکل مسئلے بھی لیے جاسکتے ہیں۔ اس طرح جب ہم معلوم سے نامعلوم کی طرف جاتے ہیں تو ڈائلاگ میں ہم مشترکہ مسئلوں سے آگے بڑھتے ہیں اور پھر صدیوں کی رنجش اور بے خبری کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے اختلافی ایشوز تک بھی جاتے ہیں۔

نواں اصول : جو لوگ بین المذاہب اور بین نظریات ڈائلاگ میں شامل ہوں وہ کم از کم اپنے اور اپنے مذہب یا نظریہ پر ناقدانہ نظر رکھتے ہوں۔ اس قسم کی خود تنقیدی صفت میں کمی کا مطلب ہوتا ہے کہ فلاں آدمی کی اپنی روایت تمام صحیح جواب رکھتی ہے۔ اس قسم کے رویہ سے ڈائلاگ نہ صرف غیر ضروری ہو جاتا ہے بلکہ ناممکن بھی۔ ڈائلاگ کا بنیادی مقصد سیکھنا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر ہمارے مذہب یا نظریہ میں کوئی غلطی ہے ہی نہیں۔ سارے سوالوں الجھنوں کے جواب اس میں موجود ہی ہیں تو کچھ نیا سیکھنا ممکن ہی نہیں ۔ یقیناً بین المذاہبی اور بین نظریاتی گفتگوؤں میں آدمی کو اپنے مذہب یا نظریہ پر استقامت کے ساتھ جمے رہنا چاہیے لیکن اس استقامت میں ایک صحت مندانہ تنقیدِ ذات کا عنصر بھی ہونا چاہیے۔ اِس کے بغیر نہ کوئی ڈائلاگ ہوسکتا ہے اور نہ ایسی استقامت بامعنی ہوسکتی ہے۔

دسواں اصول: ہر شریکِ مذاکرہ کو کوشش کرنی چاہیے کہ مقابل کے مذہب یا نظریہ کا ''اندرونی تجربہ'' کرے کیونکہ مذہب یا نظریہ کا تعلق صرف دماغ سے نہیں بلکہ روح، دل اور ''پورے وجود'' سے ہوتا ہے جو انفرادی اور اجتماعی دونوں سطح کا ہوتا ہے۔ جان ڈیون اس کے تعلق سے کہتا ہے: ''دوسرے کے مذہب یا نظریے کے تجربہ سے ''گزرنا'' اور پھر روشن ضمیری، وسعت نظری اور گہرائی لیکر آنا۔ دیکھیے: جان ایس ڈیون The Way of All the Earth نیویارک: میک میلن 1972)۔ اپنی مذہبی سالمیت کو باقی رکھتے ہوئے ہمیں ضرورت ہے کہ ہم اپنے شریکِ مذاکرہ کی جذباتی، روحانی یا نظریاتی قوت کا کچھ نہ کچھ تجربہ کریں اور اپنے اندر وسعت نظری پیدا کریں۔

بین مذاہبی بین نظریاتی ڈائلاگ چار میدانوں میں ہوتے ہیں۔ دماغ کا ڈائلاگ، ہاتھ، دل اور روح کا ڈائلاگ۔ ہاتھ کے ڈائلاگ (عملی ڈائلاگ) میں ہم انسانوں کے ساتھ تعاون کرتے اور جمالیاتی وروحانی (دل کے ڈائلاگ) ڈائلاگ میں ہم اپنے شریک کے جمالیاتی، مذہبی یا نظریاتی اظہارات کا داخلی تجربہ کرتے ہیں۔ ادراک وشعور (دماغ کا ڈائلاگ) کا میدان وہ ہے جہاں ہم سچائی کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور چوتھی قسم وہ ہے جس میں ہم شمولیت کا تجربہ کرتے ہیں۔ بین مذاہبی بین نظریاتی ڈائلاگ

کے تین بڑے مرحلے ہوتے ہیں۔(اس کے تفصیلی سات مراحل کابیان ملاحظہ فرمائیے :
http//institue/jesdialogue/org/fileadmin/DI/Seven%20STAGES%20PHOTOS.pdf)
پہلے مرحلہ میں ایک دوسرے کے بارے میں ہم اپنی غلط فہمی دور کرتے ہیں اورایک دوسرے کوصحیح طور پرسمجھناشروع کرتے ہیں۔دوسرے مرحلہ میں ہم اپنے شریکِ مکالمہ کی روایت کی اقدار کوسمجھناشروع کرتے ہیں اوران کواپنی خودکی روایت میں سمونے کی خواہش کرتے ہیں۔مثال کے طور پر بودھ عیسائی مکالمے میں عیسائی بودھوں کے مراقبہ کی روایت سے بہت کچھ لے سکتے ہیں۔اور بودھ عیسائیت سے پیغمبرانہ سماجی انصاف کی روایت اخذ کرسکتے ہیں۔دونوں اقدار بڑی طاقت وانداز میں روایتی طور پران دونوں مذاہب سے وابستہ ہیں اگرچہ صرف اِنہی کے ساتھ خاص نہیں۔اگر مذاکرات میں ہم کافی سنجیدہ،حساس اور مستقل مزاج ہیں توکئی بارہم تیسرے مرحلہ میں داخل ہوسکتے ہیں۔جہاں ہم ساتھ ساتھ سچائی کے نئے میدان ڈھونڈتے ہیں جن سے ہم اب تک لاعلم تھے۔ہم اپنی آنکھوں سے اوجھل سچائی کی جہات سے اس لیے روشناس ہوسکے کہ مذاکرات نے سوالوں،معانی کی تلاش اور جستجو جیسی چیزوں کو ہماری نظروں میں نمایاں کردیا۔اب ایسی صورت میں ہم یہ کہنے کی جرأت کرسکتے ہیں کہ صبر کے ساتھ ہونے والا مکالمہ ایک نئے''الہام''اور''حقیقت کے کشف''کاذریعہ بن سکتاہے جس پرہمیں عمل کرناچاہیے۔

پہلے ،دوسرے اورتیسرے مرحلہ میں بعض چیزیں بنیادی طور پرمختلف ہوتی ہیں۔بعدوالوں میں ہم دوسرے شرکا کی روایات ،اقداراورسچائی سے اپنے علم میں کوئی اضافہ نہیں کرتے اس کے بجائے جب ہم ان کواپنی مذہبی ونظریاتی تفہیم میں شامل کرتے ہیں تو یہ خودہمارے اپنے فہم میں تبدیل ہوجاتے ہیں۔چونکہ ہمارامقابل بھی ایسی ہی پوزیشن میں ہوتاہے۔اس لیے ہم اس قابل ہوسکتے ہیں کہ خوداپنی روایت کی گہری اقدار کی بازیافت کرسکیں اورہمارافریق بھی اپنے آپ کو بدلنے کا فائدے حاصل کرسکتاہے۔اس چیز کو ہرجانب سے مکمل وفاداری کے ساتھ کرناہوگا کہ ہر شریکِ مکالمہ خوداپنی روایت کے جوہر کے تیئں وفادار رہے۔

تاہم ڈائلاگ کی بنیاد پراس اہم جوہرکومختلف انداز میں سمجھااور تجربہ میں لایاجائے گا۔نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک یہودی اورزیادہ وثوق کے ساتھ یہودی ہوسکے گااورایک مسیحی اورزیادہ اعتماد کے ساتھ مسیحی۔چونکہ یہودیت وعیسائیت دونوں نے ایک دوسرے سے گہرے طور پر استفادہ کیاہے،اس لیے یہی چیز اس کی وجہ بنے گی۔یہاں اتحادعقائد کی کوئی بات نہ ہوگی کیونکہ اتحادعقائد یہ معنی رکھتاہے کہ مختلف مذاہب کے مختلف عناصر کولیکرایک مرکب بنادیاجائے اوران متعلقہ مذاہب کی سالمیت کا کوئی خیال نہ رکھاجائے ۔ایک معتبر ڈائلاگ میں یہ چیز نہیں ہوتی۔